ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ڈاکٹر محمد اصغر سیال ❁
ڈاکٹر محمد رفیق الاسلام ❁❁

اردو رسم الخط کا تہذیبی تعلق

Cultural Connection of Urdu Script

By *Dr. Muhammad Asghar Sial, Asst., Prof., Dept. of Iqbal Studies, The Islamia University of Bahawalpur.*
Dr. Muhammad Rafiq-ul-Islam, Associate, Prof. & Head of Iqbal Studies Dept., The Islamia University of Bahawalpur.

ABSTRACT

Urdu script has a special existence in terms of its geography and culture. Attempts have been made to change it many times in history, but Urdu has its own uniqueness in its cultural background. If we look at the efforts to introduce Hindi and Roman scripts for Urdu, then *Nastaleeq* has been suitable for Urdu in every era and still *Nastaleeq* is like body and soul for Urdu. Language is an important means of communication free from prejudice. Civilization is a combination of different cultures. The script is the identity of every culture. Urdu script also has a cultural uniqueness.

Keywords: Urdu script, culture, roman script, Hindi script, Nastaleeq script.

رسم الخط عربی زبان کے دو الفاظ کا مرکب ہے۔ "رسم" کا مطلب نقش، تحریر، اور مجازاً اس کے معنی دستور، قانون اور رواج کے ہیں۔ "خط" سے مراد تحریر، لکیر، نامہ، مکتوب، نیا سبزہ جو مرد کے چہرے پر آتا ہے، ہاتھ کا لکھا، اندازِ تحریر، حجامت اور لکیر یا لائن (Line) ہے۔ لہٰذا رسم الخط سے مراد طرزِ تحریر ہے۔ زبان و کلام کو مختلف اشکال و نشانات کے ذریعے محفوظ کرنے کے انداز کو رسم الخط کہا جاتا ہے۔

❁ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اقبالیات، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور
❁❁ ایسوسی ایٹ پروفیسر و صدر، شعبۂ اقبالیات، اسلامیہ یونی ورسٹی، بہاول پور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

زبان کی ترویج وترقی میں تحریر اور خاص طور پر رسم الخط کا حصہ سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ رسم الخط لکھنے کے انداز کو کہا جاتا ہے جسے حروف کی مدد سے صفحہ قرطاس پر منتقل کیا جاتا ہے۔ کسی زبان کی تحریری شکل متعین کرنے کے لیے جو نقوش و علامات حروف کا نام پاتے ہیں، رسم الخط کہلاتے ہیں۔[۱] ڈاکٹر فرمان فتح پوری رقم طراز ہیں:

> آج حروف جو تلفظ کے ادا اور معنی کے اظہار کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اپنی مربوط شکل میں کسی زبان کا رسم الخط کہلاتے ہیں۔[۲]

پروفیسر محمد سجاد مرزا کے مطابق رسم الخط دراصل انسان کی طرف سے مقرر کردہ ایسی علامات ہیں جن کے ذریعے خیالات اور واقعات کو اظہار کے لیے محفوظ اور منتقل کیا جاسکتا ہے۔[۳] رسم الخط زبان کی تحریری شکل ہے۔ علامات ونشانات کے ذریعے آوازوں کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ ترسیلِ اظہار کے لیے مقرر کردہ ایسے نشانات حروفِ تہجی کہلاتے ہیں۔ انھیں اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ ان کا اظہار ہو سکے جن کے لیے ان نشانات کو مقرر کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم کسی کاغذ پر لفظ "کتاب" لکھ کر ایسے شخص کو دکھائیں جو عربی، فارسی اور اردو رسم الخط سے سے ناواقف ہے تو ہوان متشکل حروف کا مطلب بیان کرنے سے قاصر ہوگا۔ اس کے برعکس اردو رسم الخط جاننے والے کے سامنے یہ لفظ رکھا جائے تو وہ نہ صرف اسے پڑھ لے گا بل کہ وہ اس Signifier سے کئی Signified بھی اخذ کرسکتا ہے یعنی اگر اس نے کتاب دیکھی ہے تو فوراً سمجھ جائے گا کہ یہ قرآن کریم، سائنس یا ادب کی کتاب ہے۔ چناں چہ رسم الخط جذبات یا خیالات کے اظہار کی ایک صورت ہے جس کا تعلق بصارت سے ہے۔ رسم الخط ایسی علامات میں جو اظہار کے لیے وضع کی گئیں، جنھیں ہزاروں سال کی مسافت طے کرنے کے بعد حروف کا نام دیا گیا۔ آج یہی علامات رسم الخط کہلاتی ہیں۔[۴] ہم مختصر الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ انسانی وضع کردہ مخصوص علامات جو تحریری شکل میں ذریعۂ اظہار ہیں یا زبان کی لکھت کا معیاری طریقہ ہیں، رسم الخط کہلاتی ہیں۔[۵] یوں ادائے تلفظ اور اظہارِ معنیٰ کے لیے حروف کی مربوط شکل "رسم الخط" کہلاتی ہے۔

رسم الخط کے آغاز کے بارے میں مختلف آرا سامنے آتی ہیں۔ اس سلسلے میں قرآنِ مجید کی ابتدائی آیاتِ وحی میں اللہ تعالیٰ نے قلم کو ترسیلِ علم کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O

ترجمہ: پڑھ اور تیرا ربّ بڑے کرم والا ہے جس نے قلم کے ذریعے لکھنا سکھایا۔[۶]

قرآنِ مجید کی مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعے ترسیلِ علم کا ذِکر فرمایا ہے۔ قلم کے ذریعے دنیا میں بے شمار رسم الخط رائج ہوئے۔ رسوم الخط انسان نے خود ایجاد کیے۔ ابتدا میں دیگر ضروریات کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ساتھ ساتھ انسان نے اظہار کے لیے حرف وکلمہ سے واقفیت بھی حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام اسما کی تعلیم فرمائی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا O

ترجمہ: اور (اللہ تعالیٰ نے) آدم (علیہ السلام) کو کل اسما تعلیم فرما دیے۔ (۷)

یہ اسما آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سکھائے تھے۔ جہاں تک زبان کے رسوم الخط کا تعلق ہے اس کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۃ آلِ عمران میں ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا O

ترجمہ: اور کوئی شخص مر نہیں سکتا جب تک خدا کا حکم نہ ہو۔ اس نے لِکھ رکھا ہے مقررہ وقت پر (موت کو)۔ (۸)

اللہ تعالیٰ نے موت وحیات کے اوقات لوحِ محفوظ میں تحریر کر دیے ہیں۔ اس لحاظ سے پہلا خطاط خود خدا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو لِکھنے کی تعلیم عطا فرمائی۔ انسان کی اچھائیاں اور بُرائیاں لکھنے کے لیے فرشتوں کو مامور کیا گیا ہے جنھیں "کراماً کاتبین" کہا جاتا ہے۔ سورۃ الاِنفطار میں ارشادِ ربانی ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ O كِرَامًا كَاتِبِيْنَ O مَا تَفْعَلُوْنَ O

ترجمہ: یقیناً تم پر نگہبان عزت والے لکھنے والے مقرر ہیں جو کچھ تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں۔ (۹)

"نظم پروین" کے خالق شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی "تعلیماتِ خوش خطی" کے ابتدائیہ میں تحریر کرتے ہیں:

حمد بے شمار اُس خوشنویس کو سزا وار ہے جس نے لوح وقلم کو ایجاد کیا اور حروف کاف ونون سے تمام خلقت کو یک قلم موجود کر دیا۔ (۱۰)

اب قابلِ غور معاملہ یہ ہے کہ لوحِ محفوظ میں استعمال ہونے والا رسم الخط کون سا تھا؟ یا با الفاظِ دیگر ملائکہ اور انسانوں کو کِس رسم الخط کی تربیت دی گئی؟ آسمانی صحائف اور اِلہامی کتب کے عربی زبان میں نازِل ہونے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ملائکہ کو عربی میں علم عطا فرمایا اور زبان کا عربی ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ رسم الخط بھی عربی ہی ہوگا لیکن ہمارے پاس اس کا کوئی واضح ثبوت اور عقلی دلیل موجود نہیں۔ ماضی میں رسم الخط کا سُراغ لگانے کی سعی کی جائے تو رسم الخط کی تاریخ تین چار ہزار سال قبل مسیح سے آگے میسر نہیں آتی۔ اس سلسلے میں بات صرف روایات تک محدود ہے۔ بقول عبدالقیوم مسلم مؤرخین کی ایک

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

روایت حسبِ ذیل ہے:

> اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو کتابت سکھائی اور انھوں نے اپنی اولاد کے لیے اسے تختی پر محفوظ کر لیا لیکن طوفانِ نوح میں یہ تختی گم ہوگئی لیکن حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وحیِ الٰہی کے اشارے سے یہ گم شدہ تختی دریافت کر لی اور اس طرح دوبارہ عربی کتابت کا آغاز ہوا۔ (۱۱)

علاوہ ازیں درج بالا نظریے کو ایک مسلمان مؤرخ و فلسفی اِبنِ خلدون نے اس وجہ سے رد کر دیا کہ اس کے بارے میں کوئی علمی یا تاریخی سند موجود نہیں ہے۔ (۱۲) ماہرینِ لسانیات کسی بھی زبان یا رسم الخط کو عطیۂ خداوندی تسلیم نہیں کرتے کیوں کہ ان کے مطابق اگر زبان اور رسم الخط خدا کی طرف سے ہوتے تو یہ ہر قسم کی خامیوں اور غلطیوں سے مبرا ہوتے لیکن کوئی بھی رسم الخط خامیوں سے پاک نہیں ہے۔ ماہرینِ لسانیات اس نظریے پر ایک اعتراض یہ بھی کرتے ہیں کہ اسلامی نظریۂ رسم الخط ارتقا کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔ قانونِ قدرت علوم و فنون کو مسلسل ارتقائی عمل سے پروان چڑھاتا ہے۔ اس طرح رسم الخط کا ارتقائی عمل سے گزرے بغیر مکمل شکل میں ہم تک پہنچا، فطرت کے قانون کے منافی ہے۔

رسم الخط ایک تدریجی عمل ہے۔ جدید دور میں آثارِ قدیمہ کے انکشافات اس بات کی دلیل ہیں کہ انسانی تہذیب و تمدن کے ساتھ تحریر بھی ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد ہم تک پہنچی ہے۔ ایک دوسری کتاب میں پروفیسر محمد سلیم رقم طراز ہیں:

> تحریر کی ایجاد بتدریج ہوئی ہے۔ انسان نے پہلے تصویروں اور پھر خاکہ نگاری کے ذریعے مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی۔ خاکہ نگاری سے بات نقوش تک جا پہنچی۔ اس سے مزید ترقی کر کے انسان نے حلق سے نکلنے والی آوازوں کے لیے نقوش مقرر کر لیے یہی نقوش حروفِ ابجد یا حروفِ الف با کہلائے۔ (۱۳)

انسان نے بتدریج زبان کو محفوظ کرنے کے لیے صوتی نقوش مقرر کیے۔ اس طرح آوازوں کو قلم بند کرنے کا طریقہ وجود میں آیا:

> انسان کو مزید ترقی کی توفیق ملی۔ اس نے ان رمزیہ نقوش کو آوازوں کے ساتھ وابستہ کر دیا۔ اس کو آواز نگاری (Phonography) کا دور کہتے ہیں۔ ترقی کا بھرپور قدم اس وقت اٹھایا گیا جب انسان نے حلق سے نکلنے والی آوازوں کے لیے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

جداگانہ نقوش مخصوص کر لیے۔ ان صوتی نقوش کو حروفِ ابجد (Abecedary) یا حروفِ الف باء (Alphabet) کہتے ہیں۔(۱۴)

رسم الخط کی ترقی بتدریج ہوئی اور انسان نے زبان کی مختلف اصوات کو خاکہ نگاری سے نقوش میں منتقل کر دیا۔ اس طرح حلق سے نکلنے والی اصوات کے لیے حروف کے مختلف اشکال مقرر کر دی گئیں اور رسم الخط کی موجودہ صورت وقوع پذیر ہوئی۔

"تاریخِ خطاطی" میں اعجاز راہی سومیریوں کے تحریر کرنے کے متعلق لکھتے ہیں:

> سومیری خط عربی کی طرح دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔ ابتدا میں تحریر کا رواج صرف امورِ مملکت چلانے کے لیے تھا مگر رفتہ رفتہ اس کا دائرہ بڑھا اور اس میں طب، تاریخ، معاشرتی علم و ادب کے دوسرے مضامین بھی لکھے جانے لگے۔(۱۵)

رشید اختر ندوی نے سومیری رسم الخط میں تصاویر کے ساتھ علامات کا تذکرہ بھی کیا ہے۔(۱۶) جب کہ گیان چند جین نے میخی خط کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ابتداً اوپر سے نیچے اور بعد میں بائیں سے دائیں لکھا جانے لگا تھا۔(۱۷) سومیری خط کو میخی رسمِ خط بھی کہا جاتا ہے اور میخی خط کے بارے میں محققین سے ثابت ہے کہ یہ اوپر سے نیچے لکھا جاتا رہا ہے۔

مسماری/ میخی یا پیکانی رسوم الخط کی ابتدا و اختتام:

بابل (عراق) میں خطِ میخی/ پیکانی (CUNEIFORM SCRIPT) کیونیفارم سکرپٹ رائج تھا۔ اس خط کے نشانات کیل (مسمار) کھونٹی (میخی) اور تیر کے پھل (پیکان) سے مشابہت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خط کو مسماری، میخی اور مسماری تینوں ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ انگریزی لفظ کیونس (CUNEUS) "میخ" اور فارما (FORMA) "شکل" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پروفیسر سیّد محمد سلیمؒ نے اس مفہوم کو یوں تحریر کیا ہے:

> عراق میں کچی نیم خشک اینٹوں پر نوک دار کیل سے تحریر کرتے تھے۔ مسمار اور میخ کیل کو کہتے ہیں۔(۱۸)

مسماری خط (CUNEIFORM SCRIPT) قدیم ترین علامتی خط ہے۔ محمد اسحاق صدیقی نے اس کا آغاز (۳۰۰۰) تین ہزار قبل مسیح قرار دیا ہے۔(۱۹) ڈاکٹر ایف اے خان کے مطابق خطِ میخی تین ہزار قبل مسیح سے بھی پہلے لکھا جا رہا تھا۔(۲۰) اس خط کے لیے سب سے پہلے "خطِ میخی" (CUNEIFORM SCRIPT) کا لفظ ۱۷۰۰ء میں مسٹر ٹامس ہائیڈ (MR. THOMAS HYDE) نے استعمال کیا تھا۔(۲۱)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اس قدیم رسم الخط کو نہ صرف سومیریوں نے استعمال کیا بلکہ ان کے بعد آنے والی کلدانی اور آشوری قوموں نے بھی اسی خط کو استعمال کیا مگر بابل پر ایرانیوں کے قبضے کے بعد یہ خط زوال پذیر ہوا اور رفتہ رفتہ نا پید ہوگیا۔(۲۲) سر ہنری رالن سن (SIR HENRY RAWLINSON) ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے ایران میں سفیر مقرر ہوئے۔ تاریخ قدیم سے دل چسپی کی وجہ سے شہنشاہِ ایران دارا اول (۴۸۵/۵۲۱ ق م) کے کوہِ بے ستوں پر کندہ سہ لسانی کتبے کو نقل کیا اور پڑھنے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ بابلی، آشوری اور عیلامی زبانوں میں کندہ کیا گیا تھا۔ سر آگسٹن ہینری لے یرڈ (SIR A. H. LAYARD) نے نینوا کے کھنڈروں سے شہنشاہ اشوریتی پال (۶۶۸۔۲۶۲ ق م) کا کتب خانہ دریافت کیا تھا جس میں کم وبیش بیس ہزار مٹی کی تختیاں برآمد ہوئی تھیں۔(۲۳) اب یہ تختیاں برٹش میوزیم لندن میں موجود ہیں۔

میخی خط کے بارے میں پروفیسر سیّد محمد سلیمؒ تحریر کرتے ہیں کہ وادیٔ دجلہ وفرات میں لکھنے کا سامان میسر نہ تھا۔ انھوں نے تحریر کے لیے مٹی کی کچی نیم خشک اینٹوں پر نوکیلے کیل استعمال کیے۔ پکی اینٹ (TERRA COTA) بطور رجسٹر استعمال ہوتی تھی۔ ایسے کتب خانے ایران، عراق، شام اور ترکی کے مختلف مقامات پر دریافت ہو چکے ہیں۔(۲۴)

خط میخی میں موجود نقوش کی تعداد مختلف بیان کی گئی ہے۔ پروفیسر سیّد محمد سلیمؒ نے خط میخی سومیری میں ۶۰۰۔۸۰۰ علامات، خطِ میخی عیلامی میں ۳۰۰ نقوش اور خطِ میخی پارس میں ۱۵۰ علامات کا تذکرہ کیا ہے۔(۲۵)

خط میخی/ پیکانی (CUNEIFORM SCRIPT) کا ایک قدیم نمونہ حسب ذیل ہے:

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بابلی رسم الخط:

اکادی بادشاہت کے زوال کے بعد اس علاقے میں بابلی حکومت قائم ہوئی۔ بابل حکومت کا پہلا حکمران حمورابی (۱۹۰۰ ق م) تھا۔ حمورابی سے قبل کی قوم اور زبان کو اکادی کہا جاتا تھا جبکہ بعد میں اسے بابلی کا نام دیا گیا۔ بابلی قوم نے بھی میخی رسم الخط اختیار کیا۔ تاہم انھوں نے مذکورہ رسم الخط میں کچھ تبدیلیاں بھی کیں مثلاً میخوں کی ترتیب میں تبدیلی کی اور کچھ نقوش کا استعمال ترک کر دیا۔ بابلیوں کی اس تبدیلی کی وجہ سے میخی رسم الخط سومیریوں کے وضع کردہ رسم الخط سے مختلف شکل اختیار کر گیا۔ اس خط میں نقوش کی تعداد ۶۵۰ بیان کی جاتی ہے۔ (۲۶)

آشوری رسم الخط:

آشوریہ یا آسیر یا وادیٔ دجلہ وفرات کا شمالی حصہ تھا۔ آشوریہ میں بھی اکادیوں اور بابلیوں کی طرح خطِ میخی رائج تھا۔ تاہم زمانے کے اعتبار سے مختلف محققین کے درمیان تضاد پایا جاتا ہے۔ ارتقائی لحاظ سے دیکھا جائے تو رسم الخط میں نقوش کی تعداد میں کمی واقع ہو رہی تھی۔ میخی رسم الخط میں علامات کی تعداد ۶۰۰ تھی۔ (۲۷) جبکہ آشوریہ رسم الخط میں نشانات کی تعداد کم ہو کر ۵۷۰ رہ گئی۔ اس لحاظ سے پتا چلتا ہے کہ آشوریہ کا روم الخط، میخی اور بابلی رسم الخط سے بعد ظاہر ہوا۔ آشوری رسم الخط کا تعلق بھی وادیٔ دجلہ وفرات سے تھا۔

ایشیائے کوچک کے رسوم الخط:

قیصریہ ترکی کا قدیم ترین شہر ہے۔ جہاں کھدائی کے دوران پیکانی رسم الخط کی تختیاں برآمد ہوئیں۔ ان تختیوں کو ۲۳۰۰ ق۔م قدیم بیان کیا گیا ہے۔ میخی ایسا قدیم رسم الخط بھی ایشیائے کوچک کی حتی قوم میں رائج رہا ہے۔ اسحاق صدیقی کے مطابق یہ ۱۵۰۰ ق۔م اور ۱۲۰۰ ق۔م کا درمیانی عرصہ تھا۔ اس علاقے کا دارالحکومت یوغاز کوئی بیان کیا جاتا ہے جو دارالحکومت انگورا (انقرہ) کے نزدیک واقع ہے۔ ایشیائے کوچک کے رسوم الخطوط ۱۷ے تک مستعمل رہے۔ (۲۸)

i) راش شامرہ کا رسم الخط:

پندرھویں یا سولہویں صدی ق م میں راش شامرہ کا خط ایجاد ہوا اور یہ تیسری صدی ق م تک جاری رہا۔ محمد اسحاق صدیقی کے مطابق "راش شامرہ" شام کا ایک قصبہ ہے۔ ۱۹۳۸ء میں اس قصبے کے قریب قدیم شہر یگارت کی دریافت ہوئی اور معلوم ہوا کہ یہاں کے باشندے بھی میخی رسم الخط لکھتے تھے۔ (۲۹)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ii) آرمینیا کا رسم الخط:

آرمینیائی افراد بھی میخی رسم الخط (Cuneiform Script) استعمال کرتے تھے۔ آشوری رسم الخط کو انھوں نے اپنے استعمال کے مطابق میخی رسم الخط سے ملا کر آرمینیا رسم الخط وضع کیا۔ اسحاق صدیقی کی تحقیق کے مطابق آرمینیا رسم الخط کا کوئی کتبہ ساتویں صدی قبل مسیح کے بعد کا نہیں۔ آریا جب یہاں آباد ہوئے تو یہ خط ترک کر دیا گیا۔(۳۰)

iii) قدیم فارسی رسم الخط:

قدیم فارسی رسم الخط میں کل اکتالیس نشانات تھے۔ فارسی میں چھٹی اور چوتھی صدی قبل مسیح کے وسط میں پیکانی رسم الخط کے بارے میں مختلف نظریات سامنے آتے ہیں۔ کچھ کے نزدیک اس کا زمانہ دارا یوش اعظم (۵۲۱۔۴۸۶ ق۔م) کا دور ہے۔

iv) ایلم کا رسم الخط:

ایلم خلیج فارس کے شمال مشرقی علاقے پر مشتمل ہے۔ اسحٰق صدیقی کے مطابق یہاں پہلے تصویری رسم الخط مستعمل تھا بعد میں انھوں نے پرانے تصویری رسم الخط کو چھوڑ دیا اور بابلی کے میخی رسم الخط سے حسبِ ضرورت مخصوص نشانات لے لیے۔ وہ اپنی تحریر میں کل ایک سو تیرہ (۱۱۳) نقوش استعمال کرتے تھے۔(۳۱) ایشیائے کوچک کے علاقوں میں اکادیوں، بابلیوں اور آشوریوں کے توسط سے یہ خط متعارف ہوا۔ میخی رسوم الخط کا ارتقا حسبِ ذیل نقشے سے ملاحظہ کیجیے:

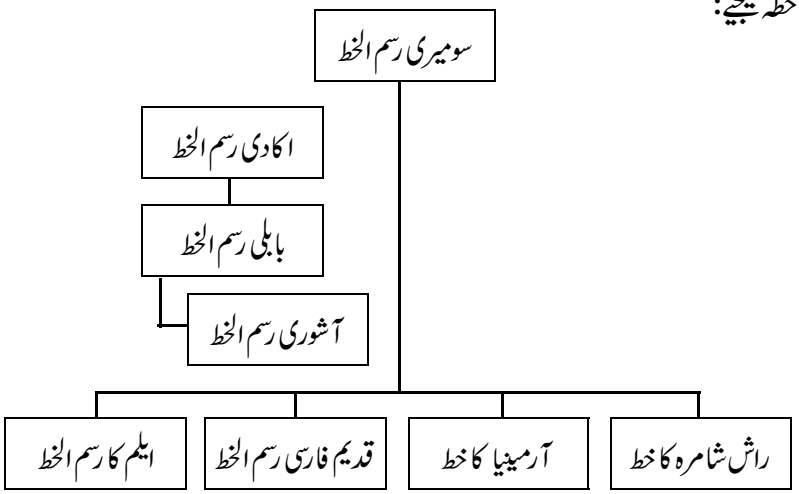

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میخی رسم الخط کے اختتام کا سبب بابل اور آشوریہ کی سلطنتوں کی کمزوری تھا۔ اس کے علاوہ حروفِ تہجی کی ایجاد کی وجہ سے یہ رسم الخط ختم ہو گیا کیونکہ حروف تہجی میں کل بائیس حروف مستعمل تھے جس کے ذریعے تحریر آسان وسہل ہوگئی تھی۔ بالآخر میخی رسم الخط کا رواج ختم ہوا تاہم یہ خط سنہ عیسوی کے آغاز تک مستعمل رہا۔ میخی خط کی آخری یادگار تختی میونخ کے عجائب گھر میں موجود ہے جو ۸۳ء میں تحریر کی گئی تھی۔ خورشید عالم گوہر قلم نے لکھا ہے کہ میخی خط کے حروف کیل یا میخ سے مشابہ ہوتی تھیں جس کی نو اقسام تھیں۔ یہ خط بابل، نینوا، عراق، ایران اور ایشیاے صغرا وغیرہ میں مروج تھا۔(۳۲)

مصری ہیروغلیفی:

اہلِ مصر اس خط کو مندروں، اہراموں اور محلوں میں استعمال کرتے تھے۔ یونانی میں اسے HIEROGLYPHIKA GRAMMATA کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے، "مقدس نقوش"۔ خورشید عالم گوہر قلم نے مصری ہیروغلیفی خط کے بارے میں تحریر کیا ہے:

> اس زمانے میں خطاطی بڑا مقدس پیشہ تھا۔ ہیروغلیفی کے معنی ہی مذہبی تحریر کے ہیں۔ مذہبی لوگ اس کے لکھنے کے مجاز تھے اور ابتدا میں یہ ہیروغلیفی مخصوص مذہبی طبقے کا خط تھا۔(۳۳)

محمد اسحاق صدیقی نے اس خط کے متعلق بتایا ہے کہ یہ خط تین ہزار قبل مسیح یا اس سے کچھ عرصہ پہلے شروع ہوا اور تیسری صدی عیسوی تک رائج رہا۔(۳۴) خورشید عالم گوہر قلم نے تحریر کیا ہے کہ یہ خط مصر اور عراق میں ۲۷۰۰ سال قبل مسیح اور بعض تحقیقات کے مطابق پانچ ہزار سال قبل مسیح میں رائج ہوا۔ چینیوں نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے کہ وہ ان ممالک کے دوش بدوش لکھتے رہے۔(۳۵) یہ رسم الخط چھے ہزار سال قبل مسیح تک باقی رہا۔ اس انکشاف کے بارے میں خورشید عالم گوہر قلم تحریر کرتے ہیں کہ ان خطوط کا پتا اس وقت چلا جب پتھر کے کتبے پر ہیروغلیفی دیمبو طیقی اور یونانی خطوط پر مبنی مضمون منظر عام پر آیا۔ ۱۷۹۹ء میں جب نپولین بونا پارٹ کی فوج مصر کی مہم سر کرنے گئی تو مذکورہ پتھر دریافت ہوا جو مصر سے فرانس پھر وہاں سے انگلستان پہنچا اور اس وقت برٹش میوزیم میں ہے۔ اسے "حجر الرشید" کا نام دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسے "روزیٹا اسٹون" بھی کہا جاتا ہے۔(۳۶) اسحاق صدیقی کے مطابق ۱۸۲۵ء میں فرانسیسی ماہر جے ایف شاپولیوں (J.F. Champollion) نے روزیٹا کے زیادہ تر حصے کو پڑھا۔(۳۷) پروفیسر سیّد محمد سلیمؒ کے نزدیک یہ کامیابی ۱۸۴۱ء میں ہوئی۔(۳۸) شاپولیوں کے بعد اس کے بیٹوں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نے کام کی تکمیل کی اور ۱۸۴۱ء میں "روزیٹا" کا ترجمہ منظرِ عام پر آیا۔ ہیروغلیفی تصاویر پر مبنی دنیا کا حسین ترین رسم الخط تھا۔ اس کی تصاویر کے مفاہیم و مطالب ظاہری اور خیالی دونوں لیے جاتے تھے۔ خورشید عالم گوہر قلم نے مصری ہیروغلیفی کی صورت و عمل کے لحاظ سے تین حصوں میں منقسم کیا ہے۔

i) تصویر نویسی (PICTOGRAPHY)

ii) خیال نویسی (IDEOGRAPHY)

iii) صوت نویسی (HELIOGRAPHY)

ہندوستان مختلف کئی ثقافتوں کا مجموعہ رہا ہے۔ ہر ثقافت کو اظہار کے لیے ایک زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔ زبان ایک فطری اور ثقافتی اظہار ہے۔ انسانی ضرورتوں کے اظہار کے لیے زبان کا وجود از حد ضروری ہے۔ زبان تعصّبات مٹانے کے لیے ہوتی ہے۔ کئی ثقافتوں کو زبان اپنے اندر سمو لیتی ہے۔ یوں کئی ثقافتوں کی ترجمان واحد زبان ہوتی ہے۔ جب مختلف ثقافتوں کو اظہار کے لیے زبان ملتی ہے تو تعصّبات ختم ہو جاتے ہیں۔ زبان مرکزیت کی اکائی ہے۔ اسے کسی خطے سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ انگریزی بذاتِ خود کسی ایک خطے کی زبان نہیں۔ کسی بھی زبان کا باہمی تعلق اگر فاتحین سے ہے تو اسے کچھ اور نام دیا جاتا ہے۔ عوام کی زبان کو کمتر اور خواص کی پروردہ زبان کو اعلیٰ مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اردو عوامی تھی تو ریختہ کہلائی اور جب شاہی محل میں پہنچی تو اسے اردوے معلےٰ کا نام دیا گیا۔ تہذیب بنیاد ہے اور معاشرہ اس کی شاخ ہے۔ اخلاقیات اور سماجی رویوں کا اثر زبان میں نظر آتا ہے۔

رسم الخط کے بارے میں بھی عجیب معاملہ ہے کہ اس پر تہذیب و ثقافت کا گہرا اثر رہا ہے۔ ایسے رسم الخط جنھیں دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں لکھا جاتا ہے دراصل تمدن کے زیرِ اثر تھے۔ سومیری خط کو دنیا کا قدیم ترین رسم الخط کہا جاتا ہے۔ سومر قوم (SUMER) چار ہزار قبل مسیح عراق میں آباد تھی۔ اس قوم نے تہذیب و تمدن میں بڑی ترقی کی۔ علمِ نجوم کی بنیاد بھی اسی قوم نے رکھی۔ وقت کی موجودہ تقسیم گھنٹے، دن، مہینے انھی کی وضع کردہ ہے۔ اس تہذیب کے لوگ ریاضی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ساڑھے تین ہزار سال قبل مسیح میں انھوں نے ایک خط بھی ایجاد کیا تھا۔(۳۹)

ہندوستان قدیم تہذیبوں کا مرکز رہا ہے۔ ہر تہذیب کا اپنا ایک رسم الخط ہوتا ہے۔ موہنجوداڑو تہذیب کا اپنا ایک رسم الخط تھا۔ برعظیم میں مسلمانوں کی آمد سے قبل سنسکرت اور دیوناگری رسم الخط رائج تھے۔ عربوں سے اہلِ ہند کے تجارتی تعلقات ہزاروں سال پرانے تھے مگر یہاں پر ان کی تہذیب کے اثرات اس وقت ظاہر ہونا شروع

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہوئے جب وہ فاتح کی حیثیت سے اس خطے میں وارد ہوئے۔ عربوں کی باقاعدہ آمد محمد بن قاسم کی فتح سندھ (۹۳ہجری) سے ہوئی۔ بابر کی فتح (۹۲۲ہجری) تک ہندوستان میں مقامی زبانوں کے علاوہ عربی اور فارسی بھی بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ ان زبانوں کی تحریر کے لیے عربی رسوم الخط نسخ، تعلیق، کوفی اور کئی تزئینی اقسام رائج تھیں۔ دہلی میں قطب مینار اور مسجد قوت الاسلام کے کتبات اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ انجم رحمانی کے بقول اردو خطِ نستعلیق بابر کے دور میں آیا اور بہت مقبول ہوا۔[۴۰] محمد بن قاسم کی آمد سے برِعظیم پاک وہند میں اردو زبان کی ترویج کا عمل تیز ہوگیا۔ ڈاکٹر طارق عزیز کے مطابق ابتدا میں تہذیبی لاشعور کے غلبے کی وجہ سے مختلف فرقوں کا رسم الخط مختلف تھا۔ یوں اردو تحریر کے لیے کئی رسوم الخط رائج تھے۔[۴۱] ہر قوم اپنے تہذیبی مزاج کے مطابق رسم الخط تیار کرتی تھی۔ مسلمان عربی اور فارسی رسم الخط میں جب کہ ہندو دیوناگری رسم الخط میں اردو لکھتے تھے۔ اب اردو تحریر کے لیے ایسے رسم الخط کی ضرورت محسوس کی گئی جس میں تمام مخلوط آوازوں کو ظاہر کرنے کی صلاحیت موجود ہو۔ دیوناگری رسم الخط میں عربی اور فارسی کے الفاظ تحریر نہیں کیے جاسکتے تھے۔ چوں کہ اردو مقامی بولیوں کے علاوہ سہ لسانی (فارسی، عربی اور ہندی) کے اختلاط سے وجود میں آئی تھی اس لیے ضروری تھا کہ مذکورہ زبانوں کی آوازوں کے لیے نشانات وضع کیے جائیں۔ آخر کار "خطِ نستعلیق" کو اپنایا گیا اور ہندی کی مخصوص آوازوں کے لیے نئے حروف وضع کیے گئے۔

انگریز تاجروں نے جب مستقل قیام کے امکانات کے تحت رسم الخط کی ضرورت محسوس کی تو برعظیم کی ثقافت سے آگاہی اور افراد و مقامات کے ناموں کو بہ آسانی یاد کرنے کے لیے رومن حروف کو رائج کرنے کی سعی و کوشش کی گئی۔ عبدالقدوس ہاشمی کے مطابق ابتدا میں رومن حروف اسمائے معرفہ کے لیے مستعمل رہے۔ تقریباً ایک صدی بعد جب عیسائی زیادہ تعداد میں بسا اور بنا لیے گئے تو مقامی رسم الخط (فارسی) کو ترک کر کے عبارات رومن رسم الخط میں لکھی گئیں۔[۴۲] انھوں نے مزید لکھا ہے کہ جوں جوں فرانسیسیوں اور فرنگیوں کی لوٹ مار اور عیسائی مبلغین کا دائرہ بڑھاتوں توں رومن حروف کا استعمال بھی بڑھتا گیا۔ چناں چہ رومن رسم الخط فوجی قواعد اور علاج معالجہ کے بعض رسائل میں استعمال ہوا۔[۴۳] ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ رومن رسم الخط کا سب سے پہلے استعمال ڈاکٹر گل کرائسٹ نے انگریزی ہندوستانی لغت میں کیا گیا جس کا پہلا ایڈیشن ۱۷۸۶ء میں اور دوسرا ایڈیشن ۱۷۹۸ء میں شائع ہوا۔[۴۴]

بتدریج رومن رسم الخط کو عدلیہ اور امورِ مال کے لیے رائج کرنے کی مساعی تیز تر ہوتی گئیں۔ اس رسم الخط کے حق میں دلائل کا بنیادی محرک اردو کو عربی اور فارسی سے لاتعلق کرنا تھا۔ یہ تمام کوششیں سرکاری سطح پر بھی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ہوئیں۔ ان کے شواہد پنجاب آرکائیوز کے ریکارڈ سے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر عطش درانی سیکرٹری محکمہ مال حکومت پنجاب مسٹر جے۔ ایم ڈونی کے مراسلہ ۱۸ ستمبر ۱۸۹۴ء بنام انسپکٹر جیل پنجاب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اس کا جواب ۱۴۔ نومبر ۱۸۹۴ء کو دیا گیا جس میں رومن اردو کو کامیاب قرار دیتے ہوئے لکھا گیا کہ اس سے انگریز افسران کو پڑتال میں آسانی رہی ہے۔(۴۵)

رومن رسم الخط کی ترویج میں عیسائی مشن کا بہت عمل دخل ہے۔ انھوں نے اسے خط کتابت اور تبلیغ کے لیے (رومن رسم الخط) کو اپنایا۔ توریت، انجیل اور زبور کی اشاعت رومن حروف میں ہونے لگی۔ اردو زبان کے اصلی تلفظ کو رومن میں لکھنے کا سہرا، پروفیسر ہارون خاں شروانی سر ولیم گریرسن کے سر باندھتے ہیں۔(۴۶)

رومن رسم الخط اختیار کرنے کے بارے میں اہلِ علم نے حمایت اور مخالفت میں دلائل پیش کیے، جن میں سے کچھ حقائق پر مبنی ہیں اور بعض بالکل سطحی نوعیت کے ہیں۔

۱۹۰۵ء میں کلکتہ ہائی کورٹ کے جسٹس ساردھا میرن نے کلکتہ یونی ورسٹی میں ایک مضمون کے ذریعے یہ تجویز پیش کی کہ پورے ملک میں ایک رسم الخط رائج کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں انھوں نے دیوناگری رسم الخط کی حمایت کرتے ہوئے اسے (ناگری) تمام زبانوں کے لیے آسان قرار دیا۔(۴۷) جسٹس مذکور کے اس بیان کی مخالفت میں پریسیڈنسی کالج کے پرنسپل نے کہا کہ دیوناگری تو بنگلہ حروف سے بھی زیادہ دیر میں لکھی جاتی ہے۔ دیوناگری حروف کی بجائے رومن حروف کو تمام ہندوستان میں ایک رسم الخط پر اختیار کیا جائے کیوں کہ یہ لکھنے اور پڑھنے میں نہایت سہل ہے۔(۴۸) رومن رسم الخط کی حمایت کی تحریک زور پکڑنے لگی تو اس کے جواب میں ۱۹۱۲ء میں رسالہ "زمانہ" میں ادرے نے ایک مضمون میں واضح طور پر کہا کہ بعض علما کچھ عرصے سے اس کوشش میں ہیں کہ ہندوستانی (اردو) کو رومن رسم الخط میں تبدل کر دیا جائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ رومن رسم الخط ہندوستانی اصوات کو مکمل طور پر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ رومن رسم الخط کی حمایت کرنے والوں کے نزدیک سب سے بڑی دلیل یہ تھی کہ رومن حروف لکھنے میں آسان اور وقت کی بچت کا باعث ہیں۔

آہستہ آہستہ رومن رسم الخط کی تحریک وسعت اختیار کرتی گئی۔ ۱۹۳۰ء میں بابائے اردو مولوی عبدالحق نے اپنے ایک مضمون "رسم الخط" میں اس تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے لکھا کہ اس سے پہلے کہ کسی زبان کے رسم الخط میں تبدیلی لائی جائے یہ دیکھنا از حد ضروری ہے کہ اس سے زبان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں یا نہیں؟ اگر ایسی تبدیلی سے زبان کی ضروریات پوری نہ ہوسکتی ہوں تو یہ عمل سخت مضر ہوگا۔ رسم الخط بدلنے کا مطلب زبان اور تمدن کی تبدیلی ہوگی۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ محض وقت اور آسانی کی بنا پر ہم رسم الخط کی تبدیلی کو برداشت نہیں

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کر سکتے۔[۴۹] ۱۹۳۷ء میں بشیر ناتھ نے ایک مضمون بعنوان "ہندی اردو قضیہ" رسالہ "اردو" میں تحریر کیا۔ اس میں انھوں نے لکھا کہ ٹیگور، شرت چندر اور بابو اور بابو مند چڑ جی رومن رسم الخط کو پسند کرتے ہیں۔ ٹیگور نے یہ دلیل پیش کی کہ اس خانہ جنگی کا خاتمہ ہوجائے گا۔[۵۰] اس دلیل کے رد میں ڈاکٹر طارق عزیز لکھتے ہیں کہ ٹیگور نے کوئی علمی دلیل بیان نہیں کی بلکہ وہ خانہ جنگی کو ٹالنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ دلیل سیاسی اہمیت کی حامل تو ہوسکتی ہے لیکن علمی نہیں ہوسکتی۔[۵۱]

جنوری ۱۹۳۹ء میں عبدالقدوس نے "ہمارا رسمِ خط" کے عنوان سے مضمون تحریر کیا۔ اس میں انھوں نے مدلل انداز میں ثابت کیا کہ ہمارا اردو رسم الخط دیوناگری اور رومن رسم الخط سے بہتر ہے۔[۵۲]

۵/نومبر ۱۹۴۱ء کو لکھنؤ یونی ورسٹی میں ذریعہ تعلیم و امتحانات اور سائنسی اصطلاحات پر غور کرنے کے لیے ایک ذیلی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کے دو اجلاس بالترتیب دو اور تین فروری ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوئے۔ ڈاکٹر طارق عزیز نے انتہائی محنت سے کارروائی کی (غیر مطبوعہ) نقول حاصل کیں اور لکھا کہ مذکورہ مسئلے پر غور کے بعد سفارش کی گئی کہ ہندوستانی (اردو) کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کیا جائے اور رومن رسم الخط رائج کیا جائے۔[۵۳] اس کمیٹی نے رومن رسم الخط کا معاملہ علمی اور عملی نوعیت کا قرار دیا۔ ۱۹۴۳ء میں سجاد مرزا نے ٹائپ اور طباعت کی سہولت کے پیشِ نظر رومن رسم الخط کو رائج کرنے کی رائے دی۔[۵۴]

۱۹۴۴ء میں حیات اللہ انصاری نے پورے ہندوستان میں رومن رسم الخط کی حمایت کی۔[۵۵] پہلی اردو کانفرنس جولائی ۱۹۴۴ء میں حیدرآباد دکن میں منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں رومن رسم الخط اختیار کرنے کی تحریک پیش کی گئی جس میں قاضی عبدالغفار اور ڈاکٹر ہاشم امیر علی نے حمایت میں جب کہ پروفیسر ہارون خان شیروانی نے مخالفت میں تقاریر کیں۔[۵۶]

۲۹/اکتوبر ۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر ہاشم امیر علی[۵۷] نے وائس جانسلر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے نام مکتوب تحریر کیا جس میں جامعہ مذکور میں رومن رسم الخط رائج کرنے کی سفارش کی گئی۔[۵۸]

برعظیم کی آزادی کے بعد پروفیسر ہارون خاں شروانی کے نظریات میں تبدیلی رونما ہوئی۔ ابتدا میں موصوف رومن رسم الخط کے مخالف تھے پھر اس کے حامی بن گئے۔ شروانی صاحب رومن رسم الخط کو ٹائپ اور طباعت کے لیے مثالی قرار دیتے رہے اور اس کی حمایت میں ۱۹۴۹ء میں ایک کتابچہ بھی شائع کیا۔[۵۹]

۱۹۵۰ء میں شان الحق حقی نے ایک مضمون "رسم الخط کی الجھن" میں علمی ضرورت کے تحت رومن خط کو اپنانے کی حمایت پر زور دیا۔[۶۰] ۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر ہاشم امیر علی نے ثانوی کمیشن برائے بھارت کو ایک یادداشت

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

بھیجی جس میں تعلیمی دشواریوں کے پیشِ نظر رومن رسم الخط کو اختیار کرنے کی سفارش کی گئی۔ سابق صدر ایوب خاں کے دورِ حکومت میں ۳۱/دسمبر ۱۹۵۸ء کو کابینہ کے ایک اجلاس میں تمام پاکستانی زبانوں کے لیے رومن رسم الخط کی تجویز پیش کی گئی۔(۶۱) صدر ایوب خاں نے رسم الخط کے تعین کے لیے کمیشن تشکیل دیا جس کے ماتحت مزید تین کمیٹیاں قائم کی گئیں۔ یوں رومن رسم الخط کی حمایت اور مخالفت کا دور شروع ہوا۔ حامی ادبا میں ڈاکٹر محمد دین تاثیر اور ن۔م راشد کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ن۔م راشد نے حلقۂ ارباب ذوق کی سولہویں سال گرہ کے موقع پر خطبۂ صدارت میں رومن رسم الخط کی اہمیت پر زور دیا۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے ٹائپ اور طباعت کی سہولیات کے حوالے سے رومن رسم الخط کے فوائد بیان کیے۔(۶۲)

۱۹۶۲ء میں محمد طاہر فاروقی نے بعنوان "ہمارا رسم الخط" مضمون تحریر کیا جس میں انھوں نے پروفیسر مسعود حسن رضوی ادیب کی امثلہ اور لفظوں کے ذریعے رومن رسم الخط کی مخالفت کی۔(۶۳) سیّد قدرت نقوی نے اردو رسم الخط کی حمایت کی اور رومن املا کی دشواریوں کو تحریر کیا۔ انھوں نے واضح کیا کہ ٹائپ اور طباعت میں بھی دونوں رسوم الخط مشکلات سے دوچار ہیں۔ اردو رسم الخط میں مقطع اشکال کی دشواریوں ہیں تو رومن میں چھوٹے بڑے حروف کا مسئلہ ہے۔ حکیم چند نیر نے اپنے تجزیے کے ذریعے اردو رسم الخط کو رومن رسم الخط کے مقابلے میں بہتر اور مفید قرار دیا۔(۶۴)

۱۹۶۶ء میں "نیا دور" کی طرف سے دانش وروں کو رسم الخط پر غور کرنے کی دعوت دی گئی جس میں ن۔م راشد نے رومن رسم الخط کی حمایت کی جب کہ محمد حسن عسکری، سلیم احمد، سیّد الطاف، ڈاکٹر سیّد عبداللہ اور شمیم احمد نے اردو رسم الخط کی پرزور حمایت کی۔(۶۵)

رومن رسم الخط کے مختلف نقائص پائے جاتے ہیں اور اردو کے مزاج کے خلاف ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے رومن اور اردو رسم الخط کا دقیق جائزہ لیا۔ انھوں نے علمی، عملی اور فنی سطح پر تجزیہ کیا اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ رومن کی بجائے اردو رسم الخط ہی زیادہ موزوں ہے۔(۶۶) رومن رسم الخط کی حمایت اور مخالفت میں سر شیخ عبدالقادر، خواجہ محمد صدیق، سیّد التفات حسین، دید مصطفیٰ علی بریلوی، سیّد احتشام حسین، مولانا صلاح الدین، ڈاکٹر وحید قریشی، انتظار حسین، میاں بشیر احمد اور رشید احمد صدیقی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ راقم الحروف کے نزدیک اردو رسم الخط، رومن رسم الخط کے مقابلے میں زیادہ جامع ہے تاہم پیوند کاری میں اصلاح کی گنجائش باقی ہے۔ علاوہ ازیں رسم الخط تہذیب و تمدن اور جغرافیائی ضروریات کے پیشِ نظر وجود میں آتا ہے۔ مختلف رسوم الخط کیا جائزہ لیا جائے تو بخوبی دیکھا جاسکتا ہے کہ ان کے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں تحریر کرنے کی بنیادی وجہ تمدن

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

اور ثقافت ہے۔ اردو رسم الخط مذہبی کی نہیں بلکہ تہذیب، ثقافت اور تمدن کی پہچان بھی ہے۔ زبان کا تعلق تعصب و تشدد سے نہیں بلکہ باہمی ملاپ و ابلاغ سے ہوتا ہے۔ اردو رسم الخط کی تبدیلی کی خود ساختہ کوششیں اس لیے کامیاب نہ ہوسکیں کہ ان کا تعلق ثقافت سے نہیں تھا۔ زبردستی سیاسی یا مذہبی بنیادوں پر زبان اور رسم الخط کو تبدیل کرنے کی کوئی بھی کاوش کامیاب نہیں ہوسکتی۔ چوں کہ اردو ایک تہذیب کا نام ہے اور رسم الخط اس کا ظاہری وجود ہے۔ لہٰذا زبان اور رسم الخط صرف وہی قائم رہ سکتا ہے جو دونوں ضروریات کو پورا کرے۔ اس لحاظ سے اردو تحریر کے لیے نستعلیق ہی بہتر ہے۔ قبل ازیں ٹیکنالوجی کے عذر کی بنیاد پر رومن رسم الخط کو رائج کرنے کی کوششیں کی گئیں لیکن زبان نے اپنے وجود کو قائم رکھنے کے لیے ٹیکنالوجی کے دور میں بھی اپنے آپ کو زندہ رکھا۔ یوں اردو رسم الخط میں اپنے خطے کی تہذیب و ثقافت کی جھلک بھی نمایاں نظر آتی ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''تدریسِ اردو''، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء)، ص ۴۷
۲۔ ایضاً، ص ۷۷
۳۔ پروفیسر محمد سجاد مرزا، ''اردو رسم الخط'' (انتخاب مقالات)، مرتبہ شیما مجید، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۵۷
۴۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''تدریسِ اردو''، محولہ بالا، ص ۸۷
۵۔ رشید حسن خان، ''اردو املا'' (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۴ء)، ص ۱۰
۶۔ سورۃ العلق (۹۶:۳ تا ۴)
۷۔ سورۃ البقرہ (۲:۳۱)
۸۔ سورۃ آلِ عمران (۳:۱۴۵)
۹۔ سورۃ الاِنفطار (۸۲:۱۰ تا ۱۲)
۱۰۔ شمس الدین اعجاز رقم لکھنوی، ''نظم پروین''، (کراچی: میر محمد کتب خانہ مرکزِ علم و ادب، ۱۹۱۳ء)، ص ۲
۱۱۔ عبدالقیوم، ''تدریسِ نسخ'' (لاہور: آزاد بک ڈپو، ۱۹۶۷ء)، ص ۲
۱۲۔ ایضاً
۱۳۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، ''اُردو رسم الخط''، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۱ء)، ص ۱۳
۱۴۔ ایضاً، ص ۲۷
۱۵۔ محمد اسحاق صدیقی، ''فنِ تحریر کی تاریخ'' (علی گڑھ: انجمن ترقیِ اُردو، ۱۹۶۲ء)، ص ۶۴ تا ۶۵، طبع اوّل
۱۶۔ رشید اختر ندوی، ''پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان'' (اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۹۵ء)، ص ۴۰
۱۷۔ گیان چند جین، ''عام لسانیات'' (نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۵ء)، ص ۶۵۴
۱۸۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، ''اُردو رسم الخط''، ص ۱۴
۱۹۔ محمد اسحاق صدیقی، ''فنِ تحریر کی تاریخ''، ص ۵۷

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۰۔ ڈاکٹر ایف اے خان، ''فنِ خطاطی: ایک اجمالی جائزہ'' مشمولہ ''ماہِ نو''، شمارہ اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۷
۲۱۔ محمد اسحاق صدیقی، ''فنِ تحریر کی تاریخ''، ص ۵۷
۲۲۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، ''اُردو رسم الخط''، ص ۳۱
۲۳۔ ایضاً، ص ۳۱، ۳۲
۲۴۔ ایضاً، ''تاریخِ خط و خطاطین''، (کراچی: زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء)، ص ۳۱
۲۵۔ ایضاً، ص ۳۴
۲۶۔ محمد اسحاق صدیقی، ''فنِ تحریر کی تاریخ''، ص ۶۸
۲۷۔ ایضاً، ''اُردو رسم الخط''، ص ۱۴
۲۸۔ محمد اسحاق صدیقی، ''فنِ تحریر کی تاریخ''، ص ۷۱، ۷۲
۲۹۔ ایضاً، ص ۷۳، ۷۴
۳۰۔ ایضاً، ص ۷۵
۳۱۔ ایضاً، ص ۷۹، ۸۰
۳۲۔ خورشید عالم گوہر قلم، ''نقشِ گوہر جدید'' (لاہور: کتب خانہ خورشیدیہ، ۲۰۰۳ء) ص ۲۴
۳۳۔ ایضاً، ص ۲۰
۳۴۔ محمد اسحاق صدیقی، ''فنِ تحریر کی تاریخ''، ص ۸۲
۳۵۔ خورشید عالم گوہر قلم، نقشِ گوہر جدید، ص ۱۶
۳۶۔ ایضاً، ص ۲۰
۳۷۔ محمد اسحاق صدیقی، ''فنِ تحریر کی تاریخ''، ص ۸۴ تا ۸۶
۳۸۔ پروفیسر سیّد محمد سلیم، ''تاریخِ خط و خطاطین''، ص ۳۰
۳۹۔ رشید اختر ندوی، ''پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان''، ص ۲۹، ۳۰
۴۰۔ انجم رحمانی، ''برصغیر پاک و ہند میں خطاطی''، (لاہور: لاہور عجائب گھر، ۱۹۷۸ء)، ص ۷
۴۱۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۲ء) ص ۲۴
۴۲۔ سیّد عبدالقدوس ہاشمی، ''رومن رسم الخط اور پاکستان''، (کراچی: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، ۱۹۹۳ء)، ص ۵
۴۳۔ ایضاً، ص ۵ تا ۸
۴۴۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۳۱
۴۵۔ ڈاکٹر عطش درّانی، ''اردو اور رومن رسم الخط کا مسئلہ'' مشمولہ ''منتخبات اردو نامہ''، جلد اوّل مرتبہ ڈاکٹر معین الدین عقیل، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء)، ص ۲۵۶، ۲۵۷
۴۶۔ پروفیسر ہارون خاں شروانی، ''اردو رسم خط اور طباعت''، (حیدرآباد دکن: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۵۷ء)، ص ۴۷
۴۷۔ ادارہ، ''رومن رسم الخط'' مشمولہ رسالہ ''زمانہ''، کان پور، جولائی ۱۹۲۵ء، ص ۶
۴۸۔ ایضاً، ص ۷
۴۹۔ مولوی عبدالحق، ''رسم الخط'' مشمولہ ''زمانہ''، کان پور، ستمبر ۱۹۳۰ء، ص ۳۵
۵۰۔ بشیر ناتھ، ''ہندی اردو قضیہ'' مشمولہ ''اردو''، اورنگ آباد دکن، اپریل ۱۹۳۷ء، ص ۴۱

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۵۱۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۷
۵۲۔ سیّد عبدالقدوس ہاشمی، ''رومن رسم الخط اور پاکستان''، ص ۵۴ تا ۶۳
۵۳۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۸
۵۴۔ پروفیسر محمد سجاد مرزا، *The Roman, Nagri & Urdu Scripts: An Appraisal*، (حیدرآباد دکن: ۱۹۴۳ء)، ص ۲، بحوالہ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۹
۵۵۔ حیات اللہ انصاری، ''رومن رسم الخط''، مشمولہ ''اردو''، دہلی، انجمن ترقیٔ اردو ہند، جنوری ۱۹۴۴ء، ص ۳۵
۵۶۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۹
۵۷۔ ڈاکٹر ہاشم امیر علی زرعی کالج جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں بطور پرنسپل خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔
۵۸۔ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۶۸
۵۹۔ پروفیسر ہارون خان شروانی، *Some Points for and against Adoption of Hindi, Urdu and Latin (Roman) Scripts for the National Languages of India*، ص ۷۹ بحوالہ ڈاکٹر طارق عزیز، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، ص ۷۲
۶۰۔ شان الحق حقی، ''رسم الخط کی الجھن''، مشمولہ ''نیا دور''، کراچی، اپریل ۱۹۵۰ء، ص ۳۰، ۳۱
۶۱۔ محمد ایوب خاں، ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی''، (پاکستان: آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۶۷ء)، ص ۱۴۰
۶۲۔ ڈاکٹر محمد دین تاثیر، ''اردو رسم خط کی بحث''، مشمولہ ''نثرِ تاثیر''، مرتبہ فیض احمد فیض، (بہاول پور: اردو اکادمی، ۱۹۶۳ء)، ص ۲۵ تا ۳۲
۶۳۔ محمد طاہر فاروقی، ''ہمارا رسم الخط''، مشمولہ ''ماہِ نو''، کراچی، شمارہ خصوصی ۱۹۶۲ء، ص ۴۷، ۴۸
۶۴۔ حُکم چند نیّر، ''اردو کا رسمِ خط''، مشمولہ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، ۸ رنومبر ۱۹۶۲ء، ص ۶، ۷
۶۵۔ ''نیا دور''، کراچی، شمارہ نمبر ۴۷، ۴۸
۶۶۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ''اردو ہندی تنازع'' (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء)، ص ۳۶۲، ۳۶۳

مآخذ

۱۔ تاثیر، محمد دین، ڈاکٹر، ''اردو رسم خط کی بحث''، مشمولہ ''نثرِ تاثیر''، مرتبہ فیض احمد فیض، بہاول پور: اردو اکادمی، ۱۹۶۳ء
۲۔ جین، گیان چند، ''عام لسانیات''، نئی دہلی: ترقیٔ اردو بیورو، ۱۹۸۵ء، ص ۶۵۴
۳۔ رحمانی، انجم، ''برصغیر پاک و ہند میں خطاطی''، لاہور: عجائب گھر، ۱۹۷۸ء
۴۔ خاں، محمد ایوب، ''جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی''، پاکستان: آکسفرڈ یونی ورسٹی پریس، ۲۸ فروری ۱۹۶۷ء
۵۔ خان، رشید حسن، ''اردو املا''، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۰۴ء، ص ۱۰
۶۔ درّانی، عطش، ڈاکٹر، ''اردو اور رومن رسم الخط کا مسئلہ'' مشمولہ ''منتخبات اردو نامہ''، جلد اوّل مرتبہ ڈاکٹر معین الدین عقیل، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۸ء
۷۔ شروانی، ہارون خاں، پروفیسر، ''اردو رسم خط اور طباعت''، حیدرآباد دکن: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۵۷ء
۸۔ ایضاً، *Some Points for and against Adoption of Hindi, Urdu and Latin (Roman) Scripts for the National Languages of India*، ص ۷۹، بحوالہ عزیز، طارق، ڈاکٹر، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۲ء
۹۔ صدیقی، محمد اسحاق، ''فنِ تحریر کی تاریخ''، علی گڑھ: طبع اوّل، انجمن ترقیٔ اُردو، ۱۹۶۲ء
۱۰۔ عبدالقیوم، ''تدریسِ نسخ''، لاہور: آزاد بک ڈپو اُردو بازار، ۱۹۶۷ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۱۔ _____، ''اُردو رسم الخط''، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۱ء

۱۲۔ عزیز، طارق، ڈاکٹر، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۲ء

۱۳۔ فتح پوری، فرمان، ڈاکٹر، ''تدریسِ اردو''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء

۱۴۔ _____، ''اردو ہندی تنازع''، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء

۱۵۔ گوہر قلم، خورشید عالم، ''نقشِ گوہر جدید'' لاہور: کتب خانہ خورشیدیہ، جنوری ۲۰۰۳ء

۱۶۔ لکھنوی، شمس الدین اعجاز رقم، ''نظم پروین''، کراچی: میر محمد، کتب خانہ مرکزِ علم و ادب آرام باغ، ۱۹۱۳ء

۱۷۔ مرزا، سجاد، *The Roman, Nagri & Urdu Scripts: An Appraisal*، ۱۹۴۳ء بحوالہ عزیز، طارق، ڈاکٹر، ''اردو رسم الخط اور ٹائپ''، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۲ء

۱۸۔ مرزا، محمد سجاد، پروفیسر، ''اردو رسم الخط انتخاب مقالات''، مرتبہ شیما مجید، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء

۱۹۔ ندوی، رشید اختر، ''پاکستان کا قدیم رسم الخط اور زبان''، اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۹۵ء

۲۰۔ ہاشمی، سیّد عبدالقدوس، ''رومن رسم الخط اور پاکستان''، اسلام آباد: اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ آل پاکستان، ۱۹۹۳ء

مذہبی صحائف

۱۔ سورۃ آلِ عمران (۰۳): ۱۴۵

۲۔ سورۃ الاِنفطار (۸۲): ۱۰ تا ۱۲

۳۔ سورۃ البقرہ (۰۲): ۳۱

۴۔ سورۃ العلق (۹۶): ۳ تا ۴

رسائل و جرائد

۱۔ ''اردو''، اپریل ۱۹۳۷ء، انجمن ترقیٔ اردو، اورنگ آباد دکن

۲۔ _____، جنوری ۱۹۴۴ء، انجمن ترقیٔ اردو ہند، دہلی

۳۔ ''زمانہ''، کان پور، جولائی ۱۹۲۵ء

۴۔ _____، ستمبر ۱۹۳۰ء

۵۔ ''ماہِ نو''، کراچی، شمارہ خصوصی ۱۹۶۲ء، ص ۴۷، ۴۸

۶۔ _____، شمارہ اکتوبر ۱۹۶۷ء، ص ۳۷

۷۔ ''نیا دور''، کراچی، اپریل ۱۹۵۰ء

۸۔ _____، شمارہ نمبر ۴۷، ۴۸

۹۔ ''ہماری زبان''، علی گڑھ، ۸ رنومبر ۱۹۶۲ء، ص ۶، ۷